شازیہ یاسمین ❁
ڈاکٹر عقیلہ بشیر ❁❁

پاکستانی اُردو افسانے میں مزاحمت مارشل لا کے تناظر میں

Resistance in Pakistani Urdu Fiction in the Context of Martial Law

By *Shazia Yasmeen, PhD Scholar, Department of Urdu, University of Balochistan.*
Dr. Aqeela Basheer, Professor, Department of Urdu, University of Balochistan.

ABSTRACT

After the establishment of Pakistan, issues of riots and migration have been prominent in Urdu fiction with the international symbolism in the promotion of symbolic fiction in the 60s General Ayub's martial law was the main factor. General Ziaul Haq's martial law in the 1980s One of the worst political upheavals of Pakistani society is in the stories of the era Differential views of individual and collective psychology with theological and technical experience and Political expression of violence and resistance to violence is prominent. General Musharraf's martial law inexplicably hollowed out Pakistani society. From 1997 to 2000, the form of power was semi-democratic, but its spirit was martial law, the resistance to which, though not of a strong political nature, has been a wave of resistance among Pakistani writers, especially fiction writers, as a nation.

Keywords: Pakistani Urdu Fiction, Martial Law, Political Corcion and Violance.

قیام پاکستان کے بعد اُردو ادب و افسانہ میں فسادات، ہجرت کے موضوعات نمایاں رہے۔ پاکستان بننے

❁ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، بہاءالدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان۔
❁❁ پروفیسر، شعبۂ اردو، بہاءالدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے بعد اشتراکی نظریات کو پاکستان کی اسلامی نظریاتی بنیادوں سے متصادم قرار دیا گیا ترقی پسند تحریک سے وابستہ ادیب بھی افراط وتفریط کا شکار ہوئے حسن عسکری، ممتاز شیریں اور انتظار حسین نے پاکستانی ادب کی الگ شناخت کا نعرہ لگایا۔ اسلامی/ پاکستانی ادب کا نعرہ لگانے والوں کی جانب سے شعوری طور پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے مطابق ادب کی تشکیل کی کوشش کی گئی۔ اسلامی ادب کی آڑ میں ترقی پسندوں کے خلاف غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور سرکاری سطح پر ان کی سیاسی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی گئی اور ۱۹۵۳ء میں انجمن ترقی پسند مصنّفین پر پابندی عائد کر دی گئی۔ یوں پاکستان میں اُردو افسانہ نگاروں کی ایک نئی نسل سامنے آئی جس نے مروجہ ترقی پسند ادب کے نظریات سے اختلاف کرتے ہوئے الگ راہیں تلاش کیں، اسلامی ادب، پاکستانی ادب اور ارضیت کے تصورات متعارف ہوئے ان نظریات کو فروغ دینے میں حسن عسکری نمایاں ادیب تھے جنھوں نے ان موضوعات پر کئی مضامین تحریر کیے۔ غلام الثقلین نقوی، فرخندہ لودھی، اشفاق احمد، اے حمید، قدرت اللہ شہاب، قابلِ ذکر افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں شعوری طور پر اسلامی و پاکستانی ادب کو موضوع بنایا۔ اسلامی ادب جس میں اسلام کے چہارگانہ عناصر جذبات اور مثبت رویوں کا اظہار ہو جو انسانوں پر اسلامی عبادات عقائد، اخلاقیات کے خارجی اور داخلی اثرات مرتب کریں، پاکستانی ادب جس میں اس خطے کی مٹی کی بودو باش، ہزاروں سال کا مسلمانان ہند کا تہذیبی وثقافتی ورثہ بنیادی عناصر قرار پایا۔

پاکستانی اسلامی ادب کا نظریہ موجود ہونے کے باوجود کچھ عرصے بعد یہ تحریک محدودیت کا شکار ہوگئی اچھا ادب نظریہ سازی شعوری کاوش سے تخلیق نہیں ہوتا جب تک وہ احساسات وجذبات میں جذب ہو کر غیر ارادی طور پر تخلیقی تجربے میں نہ ڈھل جائے۔ اس تحریک کے تناظر میں تخلیق کیا ہوا ادب اور افسانہ نئی عظمت کے اس درجے کو نہ چھو سکا جسے ادب و افسانہ کی معراج قرار دیا جا سکے۔ اس لیے اس دور کے ناقدین نے عبادت بریلوی، مولانا صلاح الدین اور وقار عظیم نے اُردو افسانہ پر جمود طاری ہونے کا اعلان کیا۔ صلاح الدین احمد نے اپنے جریدے "ادبی دنیا" میں معیاری افسانہ تخلیق نہ ہونے کے باعث افسانہ شائع کرنے سے معذرت کر لی۔ حسن عسکری نے "ساقی" (کراچی) ستمبر ۱۹۵۳ء میں اپنے کالم جھلکیاں میں اُردو ادب کی موت کا اعلان کیا تو انتظار حسین نے اُس کے جواب میں لکھا!

> پاکستان کے ادب کا مقصد آج یہ ہے کہ ایک نسل ختم ہو چکی ہے اور دوسری نسل پیدا ہو رہی ہے جو نقاد بھی اس واقع کو نظر انداز کر کے پاکستان کے ادب پر رائے زنی کریگا وہ ٹھوکر کھائے گا عسکری صاحب کو ادب کی موت کا بجا احساس ہوا ہے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

لیکن انھوں نے ایک نسل کی موت کو پوری ادب کی موت سمجھا۔[۱]

اس تناظر میں ادیب و دانشور پاکستانی ادب کی بات کرتے ہوئے اُردو زبان و ادب کی تاریخ (دہلوی،لکھنوی اُردو ادبی تاریخ) کو قرار دیتے رہے جبکہ پاکستانی خطے کی مقامی تہذیب و ثقافت پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان مقامی زبانوں میں تخلیق ہونے والے ادب کو نظر انداز کر دیا گیا۔بعض ادوار میں قومی زبانوں کے ادب کا تذکرہ شک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور اُس سے علیحدگی پسندی کی بو محسوس کی گئی۔ یوں بات تو پاکستانی ادب کی گئی لیکن رخ عربی،عجمی روایتوں کی طرف رہا۔ پاکستانی ادیب و دانشور ابھی پاکستانی ادب کی سمت کا تعین نہ کر پائے تھے کہ ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو سکندر مرزا نے یہ کہہ کر مارشل لا نافذ کر دیا کہ پاکستان سیاسی طور پر درست سمت پر گامزن نہیں ہے۔ٹھیک بیس دن کے بعد ۲۷/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو آرمی چیف جنرل ایوب خان نے صدارت سنبھال لی۔

نوزائیدہ مملکت میں قومی تشخص کی تلاش کرنے والوں کو جب سیاسی ابتری کا سامنا کرنا پڑا تو ادبا نے ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کے مارشل لا کی سیاسی وفکری تباہیوں کے خلاف خوب مزاحمت کی۔فیض احمد فیض، حبیب جالب نے اپنی شاعری کے ذریعے اُس دور کے کھوکھلے نظام کے خلاف مزاحمت کی، حبیب جالب نے حکومت کے خلاف ایسے دستور کو، صبح بے نور کو/ میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا کا نعرہ لگایا۔

آزادیٔ خیال پر پابندی نے علامت و تجرید و استعارے کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا اور کلاسیکی غزل کے کردار عاشق،محبوب اور رقیب کے معنی اس دور میں بدل گئے، اس دور کے لکھنے والوں نے مزاحمت کا نیا طریقہ یہ اپنایا کہ غیر ملکی تراجم کے ذریعے اپنے افکار سے روشناس کروایا۔ ایسے ادیبوں کے ادب کا ترجمہ کیا جو مزاحمت، ترقی پسندی اور آزادی کی جدوجہد سے وابستہ تھے۔ پابلو نیرودا، محمود درویش، فروغ فرخ زاد، ناظم حکمت کی تخلیقات کے تراجم کرنے والوں میں ن م راشد، سجاد باقر رضوی، سبطِ حسن تھے لیکن سیاسی حالات سنبھل نہ سکے دوسرا مارشل لا ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ۱۹۷۱ء میں اور یحییٰ خان کے اس دورِ مارشل لا میں مشرقی بنگال کی علیحدگی ہوئی جو کہ حساس طبقے کے لیے اعصاب شکن ثابت ہوئی، ناصر کاظمی، مختار صدیقی، مجید امجد، ظفر، باقی صدیقی اس غم کو لے کر ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اہل قلم نے ادب کی ہر صنف میں سقوطِ ڈھاکہ کے اصل حقائق کے خلاف مزاحمت کی۔ ۱۹۷۲ء کے بعد پہلی دفعہ عوامی انتخاب کے بعد بھٹو حکومت نے کافی حد تک حالات پر قابو پا ہی لیا تھا کہ ۱۹۷۷ء کا بدترین دور شروع ہوا جس میں جنرل ضیاء الحق نے غیر اخلاقی، غیر آئینی طور پر مارشل لا لگا دیا۔ اس عہد میں مزاحمت کرنے والوں کے لیے جبر و استبداد کے ہر ہتھکنڈے کو استعمال میں لایا گیا۔ احمد ندیم قاسمی،

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کشور ناہید، عبداللہ ملک، فیض احمد فیض، ظہور نذر، ظہیر کاشمیری، احمد فراز، فارغ بخاری، شہرت بخاری، فہمیدہ ریاض، اصغر ندیم سید، عذرا عباس نے مختلف علامت استعارے کے ذریعے نہ صرف اس دور کے جبر کے خلاف مزاحمت کی ان میں ادیب معتوب ٹھہرائے گئے اور ملک بدر کیے گئے۔

ایوب خان زمامِ زمانہ یحییٰ خان کو سونپ کر چلے گئے۔ ۱۹۶۷ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا اور سوشلزم کو اپنی معیشت قرار دیا۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی مغربی پاکستان میں اور شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ مشرقی پاکستان میں کامیاب ہوئیں۔ مجموعی طور پر عوامی لیگ ملک کی اکثریتی جماعت بن کر ابھری لیکن اقتدار اکثریتی جماعت کو منتقل کرنے کی بجائے وہاں کاروائی کے لیے فوج بھیج دی گئی اور پاکستان ٹوٹ گیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۷ء میں عام انتخابات منعقد ہوئے جس میں پیپلز پارٹی کے مقابلے میں نو جماعتوں کے اتحاد پر مشتمل پاکستان نیشنل الائنس (PNA) محض ۳۶ نشستوں پر کامیابی حاصل کر سکا۔ شکست خوردہ جماعتوں نے انتخابات کے نتائج قبول کرنے سے انکار کر دیا، احتجاجی جلسے جلوسوں نے پورے ملک میں بدامنی اور انتشار کو ہوا دی جسے پولیس کنٹرول کرنے میں ناکام ثابت ہوئی۔ اس انتشار کے حوالے سے ایک اجلاس میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو پولیس اور عدلیہ کے کردار پر عدم اطمینان کا اظہار کرنے پر چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق کے مشورے (جزوی مارشل لا) سے آئین میں ترمیم کرتے ہوئے پورے ملک میں جزوی مارشل لا کا اعلان کیا جو عملی طور پر مکمل مارشل لا ثابت ہوا اور نوے دن میں الیکشن کا وعدہ کرنے والا جنرل ضیاء الحق گیارہ برس تک آمریت بن کر مسلط رہا اور ذوالفقار علی بھٹو کو ۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو نواب محمد احمد کے قتل کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ انتخابات غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی، سیاسی عمل معطل کر دیا گیا اور جبر و تشدد کے طویل دور کا آغاز ہوا۔ جنرل ضیاء الحق کا گیارہ سالہ دور سیاسی سرگرمیوں، جمہوری رویوں کے تعطل، من پسند اسلام کے نفاذ، قید و بند کی صعوبتیں، جسمانی تشدد، نام نہاد غیر انسانی سزائیں، کوڑا زنی، جبر و تشدد اور خوف کا دور تھا۔ شخصی آزادیوں پر قائم تسلط کے خلاف ادیبوں نے آواز اٹھائی۔ ریاستی جبر زبان بندی تشدد اور وحشت کے خلاف اُردو افسانہ میں افسانہ نگاروں نے علامتی اور استعاراتی اسلوب اور نئے پیراؤں میں احتجاج کیا۔ مزاحمتی ادب کی اصطلاح اسی دور میں مروج ہوئی۔

> احتجاجی ادب کا مقصد کسی خاص بات، ریاستی مظالم، مذہبی تنگ نظری و تشدد اور سیاسی جبر یا سماجی اور معاشی نا انصافی کے خلاف احتجاج کرنا ہے اسی طرح مزاحمت ادب سے مراد بیرونی تسلط قومی آزادی کے لیے جدوجہد یا سیاسی چیرہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> دستیوں کے خلاف شعر و ادب کی تخلیق ہے۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر حصول آزادی تک کا سارا کا سارا ادب احتجاجی اور مزاحمتی ادب تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان اصطلاحات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ مزاحمتی ادب کو محض ضیاء الحق کے دور آمریت تک محدود رکھنا درست نہیں اسکا دائرہ کار تمام مارشلاؤں کے دوران تخلیق کیے جانے والے ادب تک وسیع ہونا چاہیے۔ (۲)

ستر کی دہائی میں پاکستان کو جغرافیائی سطح پر دولخت ہونے کی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا عدم تشخص کا سوال جو پہلے ذات کے تعین کے تناظر سے اٹھا تھا اب قومی سطح پر حل طلب تھا۔ فرد کی گمشدگی سے موضوعات علاقائی واجتماعی شناخت کے حوالے سے رقم ہونے لگے ۱۹۷۷ء سے بھٹو جیسے مقبول لیڈر کو جیل کی قید خوف وتشدد کی فضا، سرعام کوڑوں کی سزائیں، نظامِ مصطفیٰ کے نام پر عوام کی آزادی سلب کرنا جیسے غیر آئینی اور غیر قانونی اقدامات کے خلاف اُردو افسانہ نگاروں نے مزاحمتی افسانہ کے کئی پیرائے اختیار کیے۔

مسعود اشعر نے خاموشی کے عنوان سے تین افسانے تحریر کیے۔ تینوں افسانے علامتی رنگ لیے ہوئے ضیاءدور کی زبان بندی، سیاسی و سماجی گھٹن کو پیش کرتے ہیں۔ پہلا افسانہ جس میں میاں بیوی میں افسانے کا مرکزی کردار (راوی) ایک اخبار نویس ہے جو ریڈیو۔ ٹی وی اور اخبارات میں عوام کی جدوجہد کے حوالے سے کسی نئی خبر کی تلاش میں ہے مگر تمام ذرائع ابلاغ پر کڑی سنسر شپ ہے ہر سو خاموشی اور سناٹا ہے۔ واحد متکلم اس سناٹے کو توڑنے کے لیے آواز کا متلاشی ہے۔

> میں نے سوچا ابھی تھوڑی دیر میں چڑیاں خاموش ہو جائیں گی ان کا سورج نکل آئے گا... اس لیے ریڈیو چلتے رہنا چاہیے کوئی آواز تو آتی رہے گی شور کا احساس تو رہے گا کیا معلوم کوئی خبر بھی آجائے خواہ کسی زبان ہی میں ہو پھر میں نے غسل خانے میں گھس کر نل کھولا اور اپنے دونوں ہاتھوں بہتے ہوئے پانی کے نیچے رکھ دیے۔ بہتا پانی ہی وقت گزرنے کا احساس دلاتا رہے گا۔ (۳)

"خاموشی ۲" آمریت دور کے انسان جو نا صرف اپنی ذات کے حوالے سے بے چہرگی کی شکار ہیں بلکہ دوست، رشتہ دار پرانے روابط، محبتوں کے مراسم، شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھتے ہیں اس افسانے کا واحد متکلم اپنے پرانے دوست کی پُرسکون اور تاریک کمرے میں سرد مہری اور اجنبیت پر حیران ہے۔ آمرانہ نظام میں دوستیاں اور رشتے داریاں اُس نظام کے مطابق از سر نو تشکیل پاتی ہیں۔ وحشت اور خوف کا احساس ایک دوسرے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

پر اعتبار اور یقین کے تعلق میں زہر بھر دیتا ہے کہ کہیں سامنے والا مخبر اور خفیہ کا فرشتہ نہ ہو، جو ہر جگہ محفلوں، تنہائیوں، ہوٹلوں، گھروں، بازاروں میں موجود ہوتے ہیں۔

> اس کے بعد محفلوں میں فرشتے گزرنے لگے لوگ باتیں کرتے کرتے یک لخت خاموش ہو جاتے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگتے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر کہہ نہ سکتے ہوں مگر اب فرشتے گزرتے رہتے... کوئی بات نہیں کرتا تمام محفلوں میں اب فرشتے ہی فرشتے تھے اور لوگ خاموش تھے۔(۴)

"خوابوں کے زندانی" افسانہ میں بھی یہی فرشتے لوگوں کے اعمال نامے اپنے پُراسرار ہاتھوں سے درج کر رہے ہیں۔ یہ کراماً کاتبین ان تمام مزاحمت اور احتجاج کرنے والے افراد کو اُن کے اعمال نامے دکھا کر انھیں اپنی ذات اور اپنے آج کو محفوظ کرنے کے اجتماع کے خوابوں کو محصور رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ آمریت کا سب سے بڑا ہتھیار خوف ہے "طیراً ابابیل" اساطیری حوالوں سے علامتی افسانہ ہے۔ تمام شہر میں اچکے Scare Crow میں گاڑے جا رہے ہیں یہ خوف اور ڈر کی علامتیں پرندوں کو اڑانے کا کام بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ مگر اس ظلم کی فضا میں ظالم کے خلاف مزاحمت کے لیے کوئی تیار نہیں تم کہاں تھے ہم نے بہت دیر کر دی، ایک دوسرے کو دلاسے دینے والے کوئی عملی احتجاج اور مزاحمت کی بجائے ظلم برداشت کر کے ظالم کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں اس لیے اُن کی مدد کے لیے آسمان سے ابابیل نازل نہیں ہوتے۔ خواب تو دیکھتے ہیں لیکن اُن خوابوں کی تعبیر کے لیے خطرات مول لینے سے ڈرتے ہیں اپنی ذات، اپنے آج کی آسودگی تک محدود ہو جاتے ہیں۔ انفرادی، ذاتی، اجتماعی فکر و سوچ پر غالب آ کر ظالم کے ظلم کو مزید ترغیب دیتے ہیں۔ انتظار حسین کا افسانہ "مشکوک لوگ" آمریت کے دور میں انسانوں کے درمیان بے اعتباری اور بداعتمادی کا موضوع بناتا ہے۔ افسانے میں پانچ دوست اِسی خوف میں مبتلا ہیں کہ وہ سب ایک دوسرے کی جاسوسی پر مامور ہیں محفل میں سے ہر اٹھنے والے دوست باقی اس کے پُر اسرار رویے کو زیر بحث لاتے ہیں حتیٰ کہ آخر میں بچ جانے والے دو دوست دل ہی دل میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی رکھتے ہیں۔

افسانہ "سیڑھیاں" میں مرکزی کردار زندگی سے خواب نکل جانے کا ملال ہے خواب جو آزادی امن اور خوشحالی کے تھے اُسی خوابوں کی سرزمین جو اُس کی اپنی تھی اور اب یہاں کے مٹھی بھر حکمرانوں نے اُن خوابوں کے دیکھنے پر پابندی لگا دی ہے خوابوں سے محرومی بنجر زندگی کی علامت ہے۔ افسانے میں کربلا، فرات، جلا وطنی، ظلم، شہر بانو، محمد المہدی کا غیاب، شر، ناانصافی، یہ تمام استعارے جبر اور نارسائی کی کیفیت اس عہد کی بلیغ علامتیں بنتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہیں۔ انتظار حسین کے افسانے "خواب اور تقدیر" داستانوی طرز اسلوب اور فضا میں ملک کی ازلی محکومی ماجرے کو کامیاب اور موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ افسانہ سرزمین عرب کے پس منظر میں "کوفہ" اس کا جائے وقوع ہے جو تاریخ اسلام میں اہمیت اور معنویت کا حامل ہے۔ مکہ جو شہر امن کا استعارہ ہے "کوفہ" جو آمریت اور جبر و استبداد کی علامت بن چکا ہے۔ اس جبر و استبداد کے (کوفہ) سے نکلنے کے لیے مکہ شہر امن تک پہنچنے کی کوشش ہر بار ناکام ہو جاتی ہے اور چلنے والے راہ سے بھٹک کر پھر کوفہ پہنچ جاتے ہیں ایسا ہی دائرہ پاکستانی عوام کی تقدیر میں مارشلاؤں کی صورت میں لکھ دیا گیا ہے کہ ان کے مقدر میں بھی کوفہ (آمریت) تقدیر اور مکہ (جمہوریت) خواب بن چکی ہے۔

> رات بہت کالی تھی ہم نے دھیان نہیں دیا جس رستے آئے تھے اُسی رستے چل پڑے ہم سب چپ تھے "اب کیا کریں" جعفر ربیعی نے سوال کیا۔ ابوطاہر نے تامل کیا اور کہا "رفیقو! واپسی اب محال ہے کہ پہرے داروں نے ہمیں دیکھ لیا ہے شاید قدرت کو ہمارا یہاں سے نکلنا منظور نہیں... اور منصور بن نعمان الحدیدی افسردہ ہو کر بولا "ہاں مکہ ہمارا خواب ہے تقدیر ہماری کوفہ ہے۔ (۵)

اُردو افسانے میں انور سجاد کی کہانیاں ۱۹۵۸ء کا مارشل لا ہو یا جنرل ضیاء کا مارشل لا ان کے افسانوں میں علامتوں اور استعاروں کے ذریعے مزاحمت کا رویہ نمایاں ہوتا ہے۔ "ماں بیٹا"، "چھپکلی کی کٹی دم"، "نئی کونپل" اور "سیاہ رات" کہانیوں میں جبر و استحصال کے خلاف مزاحمت نئے استعاروں اور علامتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

افسانہ "ماں بیٹا" جبر کے ہاتھوں بیٹے کی مجبوری اور بے رحمی کو بیان کرتا ہے۔ امریکی کہانی سے ماخذ یہ افسانہ ایک ایسی ماں کی کہانی ہے جو اپنے شوہر اور دو بیٹے پہلے ہی اس وطن کی راہ میں قربان کر چکی ہے اور تیسرے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے رخصت کرتی ہے۔ بیٹے کے خط کی منتظر اور اس کی واپسی کی راہ تکتے وہ مایوس ہو جاتی ہے۔ جب ایک صبح گولیوں اور لوگوں کی چیخ و پکار کی آواز میں اپنے ہی بیٹے کو اپنے وطن اور اپنی عوام پر جبر اور ظلم و ستم کرتا دیکھتی ہے تو اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ "ماں" جو دھرتی کی علامت ہے مگر اسکے بیٹے اپنی ہی دھرتی کو فتح کرنے اور اپنے ہی لوگوں کو مطیع بنا کر اُن کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔

> یہ ملک تمھارا ہی ہے میرے بیٹے... جھوٹ، تمھیں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنا ہوں گے ورنہ گولی... میں تمھاری ماں ہوں اور یہ ملک تمھارا... وہ سنی ان سنی کر دیتا ہے کور کمانڈر یک لخت آگے بڑھ کر... اس عورت کو گود میں اٹھا کر اس راستے پر ڈال دیتا ہے جہاں دھول ابھی فضا میں معلق ہے۔ (۶)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اے خیام نے "چیستاں سیریز" کے عنوان سے افسانے تحریر کیے ان افسانوں میں پاکستان کے تاریخی اور سیاسی حالات پر علامتی پیرائے میں طنز کیا گیا۔ "چیستاں نمبر ا" میں ایک ایسے خاندان کی کہانی جنھوں نے اپنے گھر (وطن) کو بچانے کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ اُس بے احاطہ گھر پر جنگلی اور خوفناک درندوں کے حملے کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے گھر کی حفاظت کے لیے "کتا" جو بطور پہرے دار اور رکھوالا ہے، کتا جو نہ صرف گھر کی حفاظت پر مامور ہے بلکہ گھر والوں کا وفادار بھی ہوتا ہے۔ لیکن وہ چوکیدار خود گھر والوں پر دانت نکوس لیتا ہے۔ علامتی طور پر فوج پر طنز کیا گیا ہے فوج جو ملک کی آزادی اور سالمیت کے تحفظ کے لیے قائم کی گئی تھی وہ سرحدوں کی حفاظت کی بجائے اپنی عوام پر حکمرانی کرنے لگی ہے۔

> بیٹا آج تم پچھلے دروازے سے گھر میں کیوں داخل ہوئے؟ وہ خاموش رہا۔ باپ سے آنکھیں چار ہوئیں تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا وہ کتا... مجھ پر بھی...وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا اور سسکتا رہا کیا یہ کتا تم پر بھی۔ ہاں مجھ پر بھی۔ (۷)

احمد داؤد کے افسانوں میں مارشل لا کے خلاف مزاحمت واضح طور پر موجود ہے "جواں مرگ کا نوحہ" خواب فروش، "نامہ بر"، "شہید"، "وہسکی اور پرندے کا گوشت" اور "عجائب گھر" کے عنوان سے افسانے مارشل لا کی کارستانیوں بلکہ اُن ریاستی ستونوں پر بھی تنقید ہے جو عوام کے ٹیکس سے پلتے ہیں اور آمریت کے دور میں انھی عوام کو کچلتے ہیں۔ سرکاری اداروں میں جبراً نماز کی پابندی، عوام کو خوفزدہ کرنے کے لیے سرعام کوڑوں کی سزائیں اور اُن کی چیخیں دور تک پہنچانے کے لیے منہ کے سامنے لاؤڈ سپیکر رکھے جاتے ہیں نام نہاد حدود آرڈی نینس کی آڑ میں معصوم اور بے گناہوں کو حوالات میں قید کیا جاتا ہے یہاں تک کہ میاں بیوی کو بھی پارک یا ہوٹل میں رہتے ہوئے نکاح نامے دکھانا پڑتے ہیں۔

"وہسکی اور پرندے کا گوشت" احمد داؤد کا مارشل لا کے تناظر میں لکھے گئے شاہکار افسانوں میں ہوتا ہے جس میں مارشل لا کے پورے ماحول اُسے نافذ کرنے والوں کی نفسیات اور مغلوب ہونے والوں کے رویے جبر کے عہد کی فلاسفی اور کرداروں کے مکالمے سے سماجی جبر اور استحصال کی دیگر قوتوں کے خلاف مزاحمت کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ پرندے اور وہسکی کی علامات مجاہدین اور مومنین پر طنز ہیں۔ عوام کے پابہ زنجیر اور اُن کی غلامی ان پر مسلط سپاہیوں (مجاہدین و مومنین) کے مشغلے ان قوم کے محافظوں کو یہی گھٹن اور جبر میں مقید عوام ہی اپنے پیٹ کاٹ کر پالتی ہے اور جب مضبوط ہو جاتے ہیں تو بیرونی حملہ آوروں سے تحفظ دینے کی بجائے خود ہی مسلط ہو کر اسلحے اور صلواتوں کی آڑ میں اپنے ہی لوگوں پر مسلط ہو جاتے ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سڑک سے مجاہدوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر لڑکی نے بس اسٹاپ کی چار دیواری میں پناہ لینی چاہی مگر اسکے قدم اٹھاتے ہی وہ پہنچ گئے۔ وہسکی پرندوں کا گوشت نو خیز لڑکیاں ہمارے مجاہدوں کی مرغوب غذا ہے یونی ورسٹی کینٹین پر بحث کرتے وقت اپنے مدمقابل سے کہنے لگا جو روشن اور محفوظ کیریر لڑکی خاطر مجاہد بننے جا رہا تھا لیکن بھاگتے وقت جرابیں، جانگیے اور معشوقوں کے خط بھی خندقوں میں چھوڑ آتے ہیں۔ بھلے آدمی اس سرمائے سے تو ہم اپنے لیے شہادت خریدتے ہیں اور بچ جائیں تو تمغہ لیکن فتح نہیں خرید سکتے، وہ بولا۔ (۸)

منشا یاد کے افسانوں میں بھی عسکری جبریت کے باعث ایمائی اور اشاراتی نظام موجود ہے ماحول کا جبر، انسان کی بے چہرگی، فرد کی تنہائی، شکست و ریخت گم ہوتے وجود اور گم ہوتی آوازیں اس عہد جبریت کے نظام میں اُن کے افسانوں میں علامتی و اسلوبیاتی نظام کے بنیادی عناصر ہیں۔ "رکی ہوئیں آوازیں" آزاد نظم کی تکنیک میں انوکھا تجربہ ہے قرآنی قصص کے علامتی اسلوب میں غالب وعید ہے جو زمین کے مقہور و مجبور عوام کو اُن کے جرائم بتا کر عذاب الٰہی سے خبردار کر رہی ہے لیکن افسانے کے اختتام پر اس ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے دکھاتے ہیں بلکہ کامیابی کی نوید بھی سناتے ہیں۔

سو وہ نکال لیتا ہے راستہ کوئی پیٹ بھرنے کا اور بحال ہونے لگیں اُس کی تمام قوتیں اور وہ سننے لگا آنہیں اور آوازیں اور جمع ہونے لگیں اس کے اندر آوازیں اور برسوں کی رُکی ہوئی باتیں اور مچلنے لگے غصے اور جوش کے جذبات اور پھٹنے لگا اس کا سینہ ایک روز بادل کی طرح گرجے گا اور لرز جائیں گے وہ سب اُس کی آواز سن کر جس میں برسوں کی رکی ہوئی چنگھاڑ ہوگی۔ (۹)

افسانہ "پناہ" میں جبر اور تشدد اور خوف کے باعث عوام الناس عدم وجود اور عدم شناخت کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ جن کے سروں پر دوپہر تن گئی ہے ڈھلنے کا نام نہیں لیتی جن کے دودھ دینے والے جانوروں کے شکم چارے سے خالی اور تھن دودھ سے جن کی مرغیاں پتھریلے انڈے سیتے سیتے ہلکان ہوگئی ہیں۔ افسانے کا مرکزی کردار واحد متکلم ایک جلوس میں شرکت کرتے ہوئے یہ بھول جاتا ہے کہ وہ بارات میں ہے یا جنازے کے جلوس میں وہ خود شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ ہے ذہنی اور جسمانی سطح پر معطلی کی کیفیت ہے۔

اُسے پیاس لگی ہے اور شربت کا گلاس اس کے سامنے رکھا ہے اُسے کھانسی آتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے مگر وہ کھانس نہیں سکتا وہ چھینکنا چاہتا ہے مگر چھینک نہیں سکتا ہمیں چھینکنے دو...
ہمیں کھانسنے دو... اُس کے اندر سرگوشیاں ابھرتی ہیں مگر وہ انھیں دبا دیتا ہے۔(۱۰)

رشید امجد ساٹھ کی دہائی میں افسانہ نگاری کا آغاز کیا تو انھیں جنرل ایوب کا مارشل لا ورثے میں ملا "سہ پہر کی خزاں" مجموعہ آنے تک دوسرا مارشل لا جمہوریت کی بساط لپیٹ چکا تھا۔ جبر و آمریت کی اس فضا میں اُن کی کہانیوں میں موضوع اور فکر اور اسلوب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ "سناٹا بولتا ہے" زبان بندی کے عہد میں انسان کی بے توقیری کی مجسم تمثیل ہے افسانے کے مرکزی کردار دو افراد گٹر میں گر جاتے ہیں اور اس رقیق سیال غلاظتوں میں بہتے چلے جاتے ہیں انھی غلاظتوں میں اس شہر اور اپنے عہد کی خبر ہے ہی غلاظتیں اس عہد کے جامع استعارے ہیں یہ کچلی ہوئی عوام ساری زندگی گٹر میں بھٹکتے ہوئے کھلے مین ہول کا خواب دیکھتی رہتی ہے لیکن اپنی اسی ناداری اور بے کسی کو طاقت بنا کر مزاحمت نہیں کرتی۔

"پت جھڑ میں خود کلامی" فرد کی عدم شناخت اور گم شدگی کا احساس ہے خارجی جبر خود پر مسلط دیکھ کر اپنے آپ کو از سر نو دریافت کرتے کرداروں کو احساس ہوتا ہے ہر طرف اندھیرا چھا چکا ہے اُن کے گھر، شہر حتیٰ کہ اُن کی آوازیں اندھیرے میں دفن ہو چکی ہیں۔ اس شہر کے محافظ سپاہی اپنی ہی عوام کے حصے کی روٹی کھا کھا کر موٹے تازے ہو گئے ہیں ان کی تعداد شہر کی عوام سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ خیالی دشمن سے باتیں کرتے کرتے انھوں نے اپنی ہی عوام کو دشمن سمجھ لیا ہے۔

اُن کے سپاہی دشمن کو فتح کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے اس لیے اپنی بہادری کا
بھرم رکھنے کے لیے خود ہی بار بار اپنے شہر کو فتح کرنے لگے۔(۱۱)

سناٹے میں الو، گھپ اندھیرا، سنسان رستوں پر زرد پتوں کا ڈھیر، جبر کے موسم میں گنگ آہٹیں، پت جھڑ کا موسم، زوال کے قدموں کی چاپ، اپنے حال سے عدم اطمینان اور تبدیلی کی خواہش ان کی کہانیوں میں مزاحمت کی لہر استعاراتی انداز میں بین السطور چلتی رہتی ہے۔ جنرل ضیاء کے دور میں نام نہاد اسلامائزیشن کی بدولت لوگوں کے اندر عجیب فرسٹریشن پیدا ہوئی۔ جبر و تشدد کے اُس ماحول میں جہاں چاندنی حرام اور پھولوں، کلیوں کا کھلنا بے حیائی کے زمرے میں شمار ہو، دوپٹے، نماز کی جبری پابندی کے ساتھ مرنے کے لیے بھی اجازت لینا ضروری ہے۔

اس شہر میں پھول اُگانے کی بھی اجازت نہیں کہ کلی کا کھلنا بھی فحاشی کے زمرے
میں آتا ہے سارے کام اجازت ناموں سے ہوتے ہیں مرنے کے لیے بھی
اجازت لینا پڑتی ہے۔(۱۲)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

احمد جاوید کا افسانہ "غیر علامتی کہانی" آمریت کے نظام کے اس افسوس ناک پہلو پر طنز ہے جب طاقت کے زور پر خوف و ہراس پھیلا کر اپنی عوام کو مطیع و فرمانبردار بنانے اور بولنے والوں کی زبانیں کاٹ دی جاتی ہیں یہ سلوک دشمن بھی مفتوح علاقوں کی عوام کے ساتھ نہیں کرتے۔ معاشی، معاشرتی استحصال، سیاسی محرومیاں، اضطراب خوف اور احساس تنہائی موت اور انتشار کو بڑھا کر عوام سے احتجاج اور مزاحمت کا حوصلہ چھیننے کی کوشش کی جاتی ہے۔

میں نے اُٹھنا چاہا مگر خون ابھی تک ٹانگوں تک نہ پہنچا تھا بولنا چاہتا تھا مگر زبان لڑ
کھڑا گئی اب میں اُسے کیسے بتاتا لکھتا ہوں... کاٹتا ہوں... کاٹتا ہوں اور لکھتا ہوں
مگر یہ آسیب زدہ رات کچھ ایسی طویل ہے نہ لکھی جاتی ہے نہ کاٹی جاتی ہے۔ (۱۳)

یہ آسیب زدہ رات محکوموں کا مقدر ہے افسانہ "پیادے" میں حاکم و محکوموں کی تاریخی کہانی ہے جو فاتحین اور مفتوحوں کا ماجرا بیان کرتے ہوئے جنرل ضیاء الحق کے جبر و استبداد کے دور تک بڑھائی گئی ہے۔ غلاموں کی منڈیاں آج نہ بھی سجتی ہوں لیکن اپنے ہی شہروں اور عوام پر مسلط ہونے والی جبر و استبداد کی قوتیں اور اُن کے منہ دکھائی دینے والی ہاتھ، روشن خیال دانشوروں، صحافیوں، پروفیسروں پر روزگار بند کر کے اپنے وطن سے محبت کرنے والوں کو "غدار" کہہ کر انھیں غلام بنانے مامور ہیں۔

ہمیں بتایا گیا خدمت گزارو اور غلاموتم ہمیشہ فتح کیے جانے کے لیے تھے... بے شک
ہم ہمیشہ سے فتح کیے جانے کے لیے ہیں۔ کھدائی پر جو تصویریں دریافت ہوتی
ہیں ان میں ہماری شناخت مشکل نہیں ہوتی کہ گلے میں طوق، ناک میں نکیل اور
پاؤں میں زنجیر ہوتی ہے ہم نظر جھکا کر چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ (۱۴)

"سن تو سہی" میں ان استعماری حربوں کو موضوع بنایا گیا ہے جو سادہ لوح کو سحر سامری میں مبتلا کر کے اُن کے تمام حقوق غصب کیے جاتے ہیں۔ مذہب، خدا اور تقدیر کے نام سے رعایا پر خدا کی طرف سے انھیں بادشاہ (آمر) بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسرا حربہ، زبان فرقے، رنگ، نسل کے نام پر باہمی اختلاف پیدا کر کے عوام کو کمزور کرنے کا ہے۔ "وطن" اور عوام کی بھلائی کے نام پر اپنی حکمرانی کو طول کرنے کے ہتھکنڈے آزمائے جاتے ہیں اور جو اُن کے خلاف سر اٹھاتے آواز بلند کرے اُس کا سر اور زبان کاٹنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔

تم ایک دوسرے سے مختلف ہو تو ایک دوسرے سے مختلف رہو گے اب یہی دیکھو
میری نیام میں تلوار ہے اور تمھارے پاس تلوار کا کیا مذکور! نیام ہی نہیں لوگوں نے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

یہ سنا اور سر جھکا کر لوٹ گئے۔(۱۵)

علی حیدر ملک کی کہانیاں، "جھوٹے سچے خواب"، جنگل بولتا ہے، ترسے ہوئے آئینے، "تیسری آنکھ"، "سولی پر لٹکتی ہوئی آوازیں"، جنرل ضیا کے جبر کے عہد کی ترجمان ہیں۔ "ترسے ہوئے آئینے میں دو مرکزی کردار جو آپس میں ہم کلام ہیں۔ موضوع بحث روزِ ازل سے انسان کی ظلم و جبر کے خلاف جدوجہد اور مزاحمت ہے جو کچھ ختم نہیں ہوتی اس کی صورت حال اور نوعیت بدلتی رہتی ہے۔ پاکستان میں بھی جمہوریت اور مارشل لا کے مابین ہر دور میں مزاحمت جاری رہی ہے افسانے میں حق و باطل کے درمیان لڑائی میں فتح و شکست نہیں بلکہ جبر کے خلاف مسلسل اور متواتر مزاحمت اور جدوجہد ہے۔

> فرض قرار دے کر تم اپنی جنگ کو مقدس کہلوانے پر اصرار کر رہے ہو نہیں ہرگز نہیں... ہمارے لیے مقدس یا حقیر کا لفظ کا وجود بے معنی ہے ہم اسے محض فرض سمجھتے ہیں تو پھر پیہم حملے برداشت کرتے رہو۔ سنگینوں کی بارش تمھیں سر اٹھانے کی بھی مہلت نہیں دے گی۔ مجھے معلوم ہے لیکن جنگ بہر حال جاری رہے گی بغیر کسی وقفہ کے جنگ جاری رہے گی۔(۱۶)

"جھوٹے سچے خواب" میں اس ملک کو بنانے کے لیے امن جمہوریت بھائی چارے کی فضا کے جو خواب دکھائے گئے تھے انھی خوابوں کو آنکھوں میں سجائے عوام الناس جو قربانیاں دیں ملک بننے کے بعد وہ سارے خواب اور اُن کی تعبیریں ایسی ہو گئی ہیں "سولی پر لٹکتی ہوئی آواز" میں علامتی طور پر مسخ شدہ ضابطوں کے خلاف مزاحمت کا پرتو موجود ہے جب ایک چہکتے ہوئے طوطے کو اپنے مالک کی طرف سے اُس کی آواز اور فطری بولی (الفاظ) کو تبدیل کر کے زبردستی غیر فطری الفاظ بولنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو اس کی آواز اپنے اندر ہی گھٹ کر گم ہو جاتی ہے آوازوں کو گم ہو جانا یا آوازوں کو زبردستی بند کر دینا طوطے کی خاموشی اس عہد کی زباں بندی کی علامت ٹھہرتی ہے کہ جب معمولی سا احتجاج بھی جابر کو کھٹکتا ہے، جب ابن الوقت پر نئے حاکم کی رطب اللسانی کرنے اور ہاں میں ہاں لانے کے لیے جمع ہیں ایسے میں طوطا احتجاجاً اپنی آواز بند کر کے جابر حکمران کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔

منصور قیصر کا افسانہ "ایک بانسری ہزار نیرو" ان پانچ سرفروشوں کی کہانی ہے جو ہر روز ظلم و استبداد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور انھیں اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ وہ پانچوں آنے والے وقتوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اب ہر استحصال، ظلم و جبر و تشدد کے واقعات پر وہ بے خبری اور بے حسی کا مظاہرہ کریں گے، لیکن جلتے ہوئے گوشت کی بو عورتوں اور بچوں کی چیخیں انھیں مجبور کرتی ہیں جائے حادثہ کو دیکھیں عوام الناس کو اپنے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اپنے مفاد کی فکر ہے اخبار والے محض اس بات کی تحقیق کر رہے ہیں کہ ایسی آگ پہلے کہاں اور کب لگی تھی، لوگ آنکھیں کان اور لپیٹ کر ہڈیاں جلاتی آگ کو واہمہ قرار دے رہے ہیں۔ یہی خودغرضی اور چشم پوشی ظلم کو مزید بڑھاوا دیتی ہے۔اُن پانچ آوازوں کو مصلوب ہوتا دیکھ کر عوام محض تماشائی ہے۔

> جب وہ چوک میں پہنچا تو اس نے دیکھا اُس کے چاروں ساتھیوں کو باندھ کر صلیبوں پر لٹکا رکھا ہے... ایک ہجوم مہر بلب سر نیہوڑائے کھڑا ہے چند باریش چہروں نے جب پانچویں کو پکڑ لیا تو اس نے چیخ کر کہا کہ ''کیا تم نہیں چاہتے کہ بارش ہو بستی کی آگ بجھ جائے؟'' اس پر ایک چہرہ بولا، ''تمھیں مشیتِ ایزدی میں دخل دینے کی کس نے اجازت دی ہے۔'' پہلے نے پانچویں کو دیکھتے ہوئے طنزاً کہا، ''اب چپکے سے ایک بار پھر مصلوب ہو جاؤ۔''(۱۷)

اکرام اللہ کا "سیاہ آسمان" آمریت اور تشدد کے اس دور کی تصویر کشی کرتا ہے جب لوگوں کے سر کو آہنی کڑوں میں جکڑ دیے گئے کہانی میں اساطیری علامتوں سے عہد کے جبر اور دہشت کو اجاگر کیا گیا ہے۔اس عہد میں جب آوازوں کی پہچان ختم ہو چکی ہے رقص و موسیقی پر پابندی لگا کر موسیقی کے دیوتا "باقس" پر شب خون مارا گیا ہے زندگی روٹھ چکی ہے راستے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ہیں اور باہر سے منگوایا گیا "کالا پینٹ" سارے آسمان پر تھوپ دینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔لیکن افسانے کے اختتام میں مزاحمت امید اور زندگی اپنا راستہ بناتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔

> مجھے پتا ہے آسمان پر تھوپے جانے والا سیاہ پینٹ آخر پگھل کر گرے گا روشنی کے آگے بند باندھنے کی یہ اولین کوشش تو نہیں، تمھارے سروں کے گرد کسے ہوئے آہنی کڑے کوئی ہمیشہ قائم تو نہیں رکھ سکتا۔ ہم سب بیک زبان ہو کر پکارے تب تک کیا کریں، بتایا جو ہے جام روشن رکھو۔(۱۸)

آمریت کے خلاف احتجاج اور مزاحمتی آوازوں میں ایک نام سلیم اختر کا ہے۔"عذاب میں گرفتار بستی"، "لہو کی چھچھاٹ"، "آشوب چشم" اور "پیر تسمہ پا"، جیسی کہانیاں لکھیں۔ ان کہانیوں میں آمرانہ اندازِ حکمرانی، حکومتی بداعمالیاں، شاہانہ بے ضابطگیاں، منفرد علامتی تلازمات میں بیان کیے گئے ہیں جانوروں اور پرندوں کی علامتیں زیادہ ہیں، کہانیوں کی زیریں سطح میں شر خیر اور جبر کے درمیان مبارزت اور مقابلہ کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ افسانہ "عذاب میں گرفتار بستی" ایسی بستی کی کہانی ہے جس میں پانی ناپید ہو چکا ہے انسان پیاس سے مر رہے ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کھیت کھلیان پانی کی کمی اور عدم دستیابی کی وجہ سے خشک ہو چکے ہیں۔ایسے میں ایک آدمی انھیں پانی کی چھاگل لیے سیرابی کی نوید سناتا ہے آسمان پر بادل چھا جاتے ہیں جو پانی کی بجائے ٹڈی دل ہیں۔بستی کی سادہ لوح عوام پر آنیوالے شخص سے اسی طرح کی امیدیں وابستہ کر لیتی ہیں جس کی سزا انھیں ہر دور میں بھگتنی پڑتی ہے۔

زاہدہ حنا کی کہانیاں خوف اور آمریت کے اس عہد میں مزاحمت کرنے والے وہ انقلابی کردار ہیں جو استحصالی قوتوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر بھی تشدد برداشت کرتے ہیں لیکن ہار نہیں مانتے افسانہ "جسم و زبان کی موت سے پہلے" ایسے ہی عقوبت خانے کی تصویر ہے جہاں اس افسانے کے مرکزی کردار "عباس" کو اُس دور آمریت کے خلاف مزاحمت کرنے پر جسمانی و ذہنی تشدد کی تھرڈ ڈگری سزائیں دی جاتی ہیں مگر وہ ہر ہتھکنڈے کے سامنے سینہ سپر ہو کر انتہائی بے بسی کی حالت میں بھی ان چہروں پر حقارت سے تھوک دیتا ہے۔

> مڈل کلاس کے یہ خود ساختہ انقلابی سزاؤں اور بھوک پیاس سے نہیں ٹوٹتے اُنکی عزتِ نفس پر چوٹ لگاؤ ...اُس کے بید نے عباس کے ناف کے نچلے حصے کو چھیڑ اور قہقہہ مار کر ہنسا۔عباس نے بڑے خواجہ سرا کے بید کو اپنی رانوں کے درمیان محسوس کیا اور اس کے قہقہہ مارتے ہوئے چہرے پر تھوک دیا۔(۱۹)

"تتلیاں ڈھونڈے والی" انقلابی عورت نرجس کی کہانی ہے جو کال کوٹھڑی میں قید سزائے موت کی آخری رات اپنے بیٹے "مہدی" کے ساتھ گزارنے کا احوال ہے۔وہ تمام تشدد اور اذیتیں سہہ کر بھی اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتی اور نہ معافی نامہ پر دستخط کرتی ہے۔وہ ایک شان سے مقتل کی طرف جاتی ہے، استقامت، بردباری کا عظیم پیکر جو حق و آزادی کی دیوی معلوم ہوتی ہے اپنے بچے سے جب گفتگو کرتی ہے تو ممتا کی ماری بے بس ماں نظر آتی ہے۔

> امی کل تتلیاں ڈھونڈنے جائیں گے... آپ شام تک تو آجائیں گی؟نہیں میری تتلیاں بہت تیز اڑتی ہیں میں انھیں ڈھونڈنے نکلوں گی تو بہت دور چلی جاؤنگی آپ کونسی تتلی ڈھونڈیں گی؟ آزادی کی تتلی میری جان۔(۲۰)

"افسانہ بود و نابود کا آشوب" بھی ایسے فوجی آفیسر کی بیوی کے احساسات و جذبات کی ترجمانی کرتا ہے جو اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ اس کا شوہر آمریت کے خلاف مزاحمت اور جدوجہد کو کچلنے پر مامور ہے۔افسانہ "رنگ تمام خون شدہ" میں کربلا، کوفہ، حسین ابن علی، حاکم بن زیاد جیسے تاریخی کرداروں کے ذریعے ہر عہد کے اندر جبر و استحصال کی قوتوں اور کرداروں کے ذریعے جنرل ضیا کے دور کو اجاگر کیا گیا ہے۔اندرون سندھ کے عجائب گھر کی سیر کرتے ہوئے فوجی انتظام کے تحت سندھ کا وہ چہرہ دکھایا جا رہا ہے جس کے نکھارنے کے لیے صدیوں محکوموں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اور کاریگروں نے اپنی انگلیاں لہولہان کی ہیں اس قافلے میں عذرا بھی شامل ہے جسکا دوست شاہی قلعے میں بند ظلم و تشدد برداشت کر رہا ہے۔ ان پر تشدد کرنے والے اور حکمرانی کرنے والے خود کو برحق مامور من اللہ سمجھتے آئے ہیں۔

ہاجرہ مسرور کی کہانیاں جنرل ضیا کے عہد تاریک میں معمولی جرائم کے الزام میں ان سزاؤں کو موضوع بناتی ہیں جو ذاتی مفادات کے پیش نظر عوام الناس کے دلوں میں ذہنوں میں ڈر، خوف نفسیاتی فضا پیدا کرنے کے لیے سرعام دی جاتی تھیں۔ لوگ بھی توہین انسانیت کے اس تماشے میں جوق در جوق جمع ہوتے جیسے جشن بپا ہو یا صدیوں پرانے روم اور یونان کے وحشی تماش بینوں کی طرح جو خون آشام مقابلوں میں دونوں اطراف کی لڑائی میں انسانوں کی گردنوں کے کاٹنے کے نظارے دیکھ کر حظ اٹھاتے اور نفسیاتی آسودگی حاصل کرتے تھے۔

> اور یہ پڑا پہلا... دیکھئے دیکھئے ٹکٹکی پر بندھے کم بخت کی بوٹی بوٹی پھڑکی اور ایک لمبی چیخ گونجی تیری خاطر کوڑے کھائیں گے"۔ ہائیں ہائیں یہ تالیاں حد بھئی۔ تالیاں غلطی سے بج گئیں اور آپ اس بدکردار مجرم کے نعرے پر کان نہ دھریے حضرات۔ اس پر جوش ہجوم کی پرمسرت چیخیں سنیے جو سزا پر خوش ہو رہا ہے تالیاں بھی اسی لیے بجا رہا ہے۔ آپ گنتی گنیے رقص جرم و سزا دیکھیے۔(۲۱)

ضیاء الحق کے دور میں سب سے زیادہ انسانی تذلیل خواتین کے ساتھ حدود آرڈیننس کا قانون نافذ کر کے کی گئی، عورتوں کو دوسرے درجے کا شہری قرار دیا گیا، قانون شہادت میں ترمیم کر کے عورت کی گواہی آدھی تسلیم کی گئی، کوئی قانون اور غیر مسلم جج کا عہدہ قابلیت کے باوجود حاصل نہیں کر سکتی۔ سعیدہ گزدر کے افسانے ضیاء الحق کے دور کی ریا کاری اور عورتوں کے خلاف تعصب کی بھرپور مزاحمت کرتے ہیں اُن کا افسانہ "آدھی گواہی" کا عنوان مذہبی طبقے کی استحصالی ذہنیت کے خلاف احتجاج ہے جس میں عورت کی تذلیل اور توہین کو عبادت کا درجہ بنا دیا گیا ہے۔ افسانہ "ڈاکو" میں جبر کے اس نظام کو تقویت دینے والی پولیس جو بظاہر ایک مبینہ پولیس مقابلے میں ایک سادہ لوح دیہاتی کو سفاکی کے ساتھ اپنی کارگزاری کا ہدف بناتی ہے۔

> اس قدر مار پیٹ اذیت اور بدکلامی کے بعد بھی وہ نجات پا کر بے حد خوش تھا۔ دیہاتی بکری کھول کر باہر نکل ہی رہا تھا کہ پیچھے سے گولی چلی دھماکہ پہلے ہوا کہ دیہاتی پہلے گرا، دوسرے ہی لمحے وہ خون میں لت پت پڑا تھا۔ اس کی بکری کو کہاں باندھوں دودھ دینے والی ہے پیچھے مسجد کے احاطے میں باندھ دو جب تک دودھ دیتی ہے ٹھیک ہے دوسرے دن ڈاکوؤں اور پولیس کے مسلح تصادم کی خبر

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

پہلے صفحے پر چھپی تھی ڈاکو کی لاش کی تصویر تھی جو حراست سے فرار ہونے کی کوشش میں مارا گیا تھا۔ (۲۲)

اعجاز راہی کے افسانے "سہیم ظلمات" میں احتجاج اور مزاحمت کو آوازوں کو آمرانہ قوتیں جبر کے ہتھکنڈوں سے کیسے روکتی ہیں موضوع بنایا گیا ہے تاریخ کے ایک کڑوے سچ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ قتل و غارت بدلتی حکومتیں کسی گہرے منصوبہ کا حصہ ہوتی ہیں جن کی ڈوریاں نادیدہ ہاتھوں میں ہوتی ہیں اور تیسری دنیا کے حکمران ضیاء الحق یا پرویز مشرف ان منصوبہ سازوں کے مہرے ہیں یہ مغربی طاقتیں اپنے ملکوں میں جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں اور تیسری دنیا کی عوام کے لیے اپنے چوکیدار مسلط کرتی ہیں جو بار بار اپنی ہی زمین اور عوام کو فتح کرتے ہیں۔

اسنے پلٹن میدان میں جنرل کے اترتے ہوئے رینک اور سرنگوں پرچم کو ٹی وی کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے کہا افسوس اب ہمیں تجربوں کے خوفناک آسیب بھی ناکام عمل دہرانے سے روک نہیں سکتے کہ جو ہم اپنی سرزمین کو بار بار فتح کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ (۲۳)

اس دور آمریت میں صرف آٹھ مہینے بعد ہی "گواہی" کے عنوان سے افسانوں کا ایک مجموعہ اعجاز راہی نے ترتیب دیا جس میں شامل چودہ افسانے مارشل لا کے خلاف احتجاج اور مزاحمتی افسانے ہیں اس انتخاب کی پاداش میں انھیں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ ماہ نو، سویرا، ادب لطیف میں شامل علامتی افسانوں میں مزاحمتی آوازیں خاصی توانا اور بلند تھیں "مزاحمتی ادب" کے عنوان سے اکادمی ادبیات کے زیر اہتمام ڈاکٹر رشید امجد نے مزاحمتی شاعری اور افسانوں پر ضخیم انتخاب ترتیب دیا۔

۸۰ء کی دہائی پاکستانی معاشرے کی ایک اور بدترین سیاسی ابتری کا زمانہ ہے۔ اس دور میں لکھی گئی کہانیوں کا موضوع کسی نہ کسی حوالے سے سیاسی جبر و تشدد کا اظہار اور اس کے خلاف مزاحمت کا عنصر نمایاں ہے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ جب بھی غیر جانب دارانہ مورخین لکھیں گے تو اس دور کے ادیبوں بالخصوص افسانہ نگاروں کے ضیاء الحق کے مارشل لا کی آمریت کے خلاف جدوجہد اور مزاحمت ادب کی تخلیق کرنے کے قومی فریضہ کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔ ۰۶ء کی دہائی میں شروع ہونے والی علامت نگاری ۸۰ء کی دہائی تک اُردو افسانے میں اظہار کی رنگا رنگی عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ کرب، اداسی، افسردگی، مایوسی، اکتاہٹ، جھنجھلاہٹ خارج سے باطن کی طرف سمٹاؤ احتجاج کا تند و تیز لہجہ، بغاوت کا ہیجانی انداز، اسلوبیاتی اور تکنیکی تجربات کے ساتھ اس دور کے فرد اور اجتماع کی نفسیات کو متنوع زاویے اس عہد کے افسانے میں موجود ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جنرل مشرف کے مارشل لا غیر محسوس طریقے سے پاکستانی سماج کو کھوکھلا کیا۔ اس کھوکھلے سماج کا المیہ اور اس کا دکھ اُردو افسانے میں موجود ہے۔ یہ بھی مزاحمت کا ایک غیر معمولی رویہ ہے جو عام مزاحمت سے مختلف ہے جو ضیاء الحق مارشل لا کے ظاہری اور واضح جبر کے خلاف شدید ردِعمل کے طور پر سامنے آیا۔ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۰ء تک اقتدار کی صورت نیم جمہوری تھی لیکن اس کی روح مارشل لا کی تھی جس کے خلاف مزاحمت اگرچہ شدید سیاسی نوعیت کی نہ تھی لیکن من حیث القوم پاکستانی ادیبوں بالخصوص افسانہ نگاروں کے ہاں مزاحمت کی زیریں لہر موجود رہی ہے۔

حواشی

۱۔ انتظار حسین، ''جمود اور موت کے بارے میں''، مشمولہ ''ساقی''، کراچی، جنوری ۱۹۵۳ء، سال نامہ، ص ۱۹۱
۲۔ ڈاکٹر رشید امجد، ''پاکستانی ادب رویے اور رجحانات''، (اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء)، ص ۶۸
۳۔ مسعود اشعر، ''سارے افسانے''، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۲۱
۴۔ ایضاً، ص ۱۲۷
۵۔ انتظار حسین، ''خواب اور تقدیر قصہ کہانیاں''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۹۸
۶۔ انور سجاد، ''ماں بیٹا'' مشمولہ ''مجموعۂ ڈاکٹر انور سجاد''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۳۳
۷۔ اے خیام، ''چیستاں نمبر ا، کپل وستو کا شہزادہ''، (کراچی: منظر پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص ۹۰
۸۔ احمد داؤد، ''وسکی اور پرندے کا گوشت'' مشمولہ ''مفتوح ہوائیں''، (راول پنڈی: دستاویز پبلشرز، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۰۹
۹۔ منشا یاد، ''رُکی ہوئی آوازیں'' مشمولہ ''شہر فسانہ''، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۸۴
۱۰۔ ایضاً، ''پناہ''، ایضاً، ص ۸۷
۱۱۔ رشید امجد، ''پت جھڑ میں خود کلامی'' مشمولہ ''عام آدمی کے خواب''، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)، ص ۲۷۱
۱۲۔ ایضاً، ''میلا جوتا لاب میں ڈوب گیا''، ایضاً، ص ۲۸۲
۱۳۔ احمد جاوید، ''غیر علامتی کہانی''، (لاہور: خالدین پبلشرز، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۷
۱۴۔ ایضاً، ''پیادے''، ایضاً، ص ۵۱
۱۵۔ احمد جاوید، ''سن تو سہی''، مشمولہ، ''گواہی'' مرتبہ اعجاز راہی، (کراچی: عوامی دارالاشاعت، ۱۹۷۸ء)، ص ۹
۱۶۔ علی حیدر ملک، ''ترسے ہوئے آئینے بے زمین بے آسمان''، (کراچی: منظر پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء)، ص ۱۸
۱۷۔ منصور قیصر، ''ایک بانسری ہزار نیرو''، مشمولہ، ''گواہی''، ص ۸۶
۱۸۔ اکرام اللہ، ''سیاہ آسمان'' مشمولہ ''بدلتے قالب''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۱۲
۱۹۔ زاہدہ حنا، ''جسم و زباں کی موت سے پہلے'' مشمولہ ''راہ میں اجل ہے''، (کراچی: دانیال، ۱۹۹۲ء)، ص ۸۵
۲۰۔ ایضاً، ''تتلیاں ڈھونڈنے والی''، ایضاً، ص ۱۱۲
۲۱۔ ہاجرہ مسرور، ''ایک اور نعرہ'' مشمولہ ''سب افسانے میرے''، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۱۰
۲۲۔ ڈاکٹر سعیدہ گزدر، ''آدھی گواہی''، (کراچی: پاکستانی ادب پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء)، ص ۳۷

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۳۔ اعجاز راہی، ''سہیم ظلمات''، مشمولہ ''مزاحمتی ادب''، مرتبہ ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء)، ص ۸۸

مآخذ

۱۔ اشعر، مسعود، ''سارے افسانے''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء
۲۔ اکرام اللہ، ''سیاہ آسمان'' مشمولہ ''بدلتے قالب''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء
۳۔ امجد، رشید، ڈاکٹر، ''پاکستانی ادب رویے اور رجحانات''، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء
۴۔ _____، ''پت جھڑ میں خود کلامی'' مشمولہ ''عام آدمی کے خواب''، _____، ۲۰۰۷ء
۵۔ _____، ''میلا جوتا لاب میں ڈوب گیا''، _____
۶۔ جاوید، احمد، ''غیر علامتی کہانی''، لاہور: خالدین پبلشرز، ۱۹۸۷ء
۷۔ _____، ''پیادے''، _____
۸۔ _____، ''سن تو سہی''، مشمولہ، ''گواہی'' مرتبہ اعجاز راہی، کراچی: عوامی دارالاشاعت، ۱۹۷۸ء
۱۰۔ حسین، انتظار، ''خواب اور تقدیر قصہ کہانیاں''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء
۱۱۔ حنا، زاہدہ، ''جسم و زباں کی موت سے پہلے'' مشمولہ ''راہ میں اجل ہے''، کراچی: دانیال، ۱۹۹۲ء
۱۲۔ _____، ''تتلیاں ڈھونڈنے والی''، _____
۱۳۔ خیام، اے، ''چیستاں نمبر ا، کپل وستو کا شہزادہ''، کراچی: منظر پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء
۱۴۔ داؤد، احمد، ''وسکی اور پرندے کا گوشت'' مشمولہ ''مفتوح ہوائیں''، راول پنڈی: دستاویز پبلشرز، ۲۰۰۲ء
۱۵۔ راہی، اعجاز، ''سہیم ظلمات''، مشمولہ ''مزاحمتی ادب''، مرتبہ ڈاکٹر رشید امجد، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء
۱۶۔ سجاد، انور، ''ماں بیٹا'' مشمولہ ''مجموعۂ ڈاکٹر انور سجاد''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء
۱۷۔ قیصر، منصور، ''ایک بانسری ہزار نیرو''، مشمولہ، ''گواہی''، مرتبہ اعجاز راہی، کراچی: عوامی دارالاشاعت، ۱۹۷۸ء
۱۸۔ گزدر، سعیدہ، ڈاکٹر، ''آدھی گواہی''، کراچی: پاکستانی ادب پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء
۱۹۔ مسرور، ہاجرہ، ''ایک اور نعرہ'' مشمولہ ''سب افسانے میرے''، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء
۲۰۔ ملک، علی حیدر، ''ترسے ہوئے آئینے بے زمین بے آسمان''، کراچی: منظر پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء
۲۱۔ یاد، منشا، ''رُکی ہوئی آوازیں'' مشمولہ ''شہر فسانہ''، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء
۲۲۔ _____، ''پناہ''، _____

جرائد

۱۔ ''ساقی''، کراچی، جنوری ۱۹۵۳ء، سال نامہ